مسلکِ اہلحدیث

تحریر

مفکرِ اسلام مولانا محمد حنیف ندوی

حضرات یہ عجیب ہے کہ اہلِ حدیث کا تصورِ دینی جس قدر سادہ سمجھ میں آنے والا اور قلب و رُوح کو حرارت و تپش عطا کرنے والا ہے یار لوگوں نے اتنا ہی اسے اُلجھا دیا ہے اور اِس کے بارہ میں ایسی ایسی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ سوال کم پڑھے لکھے یا جہال کا نہیں۔ اچھے خاصے علمار کا ہے۔

اِن حلقوں میں اگر کسی جانی پہچانی شخصیت کے بارے میں بھولے سے کسی نے کہہ دیا یا لکھ دیا کہ صاحب وہ "وہابی" غیر مقلد یا اہلِ حدیث ہے۔ تو نہ پوچھیے صرف اِتنا کہہ دینا اور لکھ دینے سے اِس سے متعلق رائے اِس تیزی سے بدل جاتی ہے اور اِس کے خلاف نفرت و تعصب کے کتنے طوفان اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

نفرت و تحقیر کا یہ بادۂ تلخ انگریز کے اِستعماری مصالح کے علاؤہ اور کِن کِن مقدس ہاتھوں سے کشید ہوا ہے!

اور تہمت طرازی کی اِس سازش میں کس کس نے حصہ لیا؛ کن کن عناصر نے اہلِ حدیث کے خلاف اِس نفسیاتی مہم کو چلانے میں کامیاب کردار ادا کیا۔؛ یہ ایک مستقل اور علیحدہ موضوع ہے جو مخصوص تحقیق و التفات چاہتا ہے ہمارے نزدیک اِس سے متعلق سرِدست تعرض کرنا موزوں نہیں کیونکہ۔

ے اِس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

تاہم اتنی بات کہہ دینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں کہ نفرت کی یہ مہم پورے

زور و شور اور تنظیم کے ساتھ آج بھی جاری ہے۔ حالانکہ جماعت اہلِ حدیث کے عقائد و سرگرمیاں اور کارنامے کوئی چیز بھی تو ڈھکی چھپی نہیں۔ اور کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جس میں اسلامی نظریہ و تصور سے کسی درجہ میں بھی انحراف پایا جائے، بلکہ یوں کہنا چاہیے ہم تو معتوب اور متوجب تعزیر ہی اس بنا پر ہیں کہ ہم فقہ ہو یا کلام، تفسیر ہو یا حدیث و دین کے معاملہ میں ادنیٰ انحراف کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہمارا سیدھا سادا عقیدہ یہ ہے کہ حق و صداقت کو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ہی میں محصور و منحصر مانو اور سعی و عمل یا فکر و عقیدہ کا جب بھی کوئی نقشہ ترتیب دو تو تابش وضو کے لیئے اسی آفتاب ہدایت کی طرف رجوع کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائناتِ انسانی کے لیئے سراجِ منیر ٹھہرایا ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

یہاں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہم کسی طرح بھی تاریخی ارتقاء کے منکر نہیں اور زمانے کے ناگزیر تقاضوں کے تحت فقہ و کلام کے سلسلہ میں ہمارے ہاں جلیل القدر علماء اور آئمہ نے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

ان سے ذرا برابر صرفِ نظر کو ہم جائز نہیں تصور کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک امامِ ابو حنیفہؒ کی فکری و آئینی کاوشیں، امامِ شافعیؒ کی اصولِ فقہ و حدیث کے متعلق پیمانوں کی تعیین امامِ مالکؒ کا اصحاب مدینہ کے تعامل کو دست بردِ زمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے محفوظ کر لینا اور امام احمد بن حنبلؒ کی جمع حدیث کی وسیع تر کوششیں ہماری تہذیبی انفرادیت کا زندہ ثبوت ہیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر ہم جس قدر بھی فخر و ناز کریں کم ہے۔
ہم حق کو ان سب مدارس فکر میں جن کی ان بزرگوں نے بنیاد رکھی

دائر و سائر تو مانتے ہیں لیکن محصور و منحصر کسی میں بھی نہیں مانتے کیونکہ ہمارے نقطۂ نگاہ سے صحت و صواب کی استواریاں غیر مشروط طور پر صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے ساتھ خاص ہیں۔

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذالک خیر واحسن تاویلا۔

ہمارے عقیدہ کی رو سے استدلال و تاویل کا یہی دو چیزیں نقطۂ آغاز ہیں اور یہی نقطۂ آخر۔

دوسرے لفظوں میں سورۂ نسار کی اس آیت کو ہم (PREAMBLE) یا قانونی اساس سمجھتے ہیں۔

اس آیت ہی کے لب و لہجہ میں علمار سے کہتے ہیں کہ ہر متنازع فیہ مسئلہ میں اوّل و آخر کتاب و سنت ہی کیطرف رجوع کیجیے۔

اہلحدیث کے نفسیات شوق کی تشریح

لیا تقلید و عدم تقلید کی اصطلاح میں پڑے بغیر کہ اس میں قدرے الجھاؤ اور جھول ہے۔ ہم محبت و وفا کی زبان میں دعویٰ دارانِ عشق رسول سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ خدارا آپ ہی بتائیے اگر کسی گروہ نے یہی یہ فیصلہ ہی کر لیا ہو کہ طلب و آرزو کے دامن کو وہ صرف انہی گل بوٹوں سے سجائے گا جو قرآن و سنت کے سدا بہار دبستان میں نظر افروز ہیں۔

اور اگر کچھ لوگوں نے ازراہِ شوق یہی مناسب جانا ہو کہ ان کی نظر اگر کسبِ ضو کرے گی تو انہی انوار و تجلیات سے جو چہرہ نبوت کی زیب و زینت ہیں۔

یا زمان و مکان کے فاصلوں کو ہٹا کر اگر کوئی بے تاب اور متجس نگاہ اسی جمال جہاں آرا کا براہِ راست مشاہدہ کرنا چاہتی ہے جس کی جلوہ آرائیوں نے عشاق کے دلوں میں پہلے پہل ایمان و عمل کی شمعیں فروزاں کی تو آیا یہ کوئی

جرم، گناہ، یا معصیت ہے!

اور اگر یہ جرم اور معصیت ہے تو ہمیں اقرار ہے کہ ہم وابستگان دامن رسالت اور اسیران حلقہ نبوت مجرم اور گناہ گار ہیں۔

تقلید کا اثر قلب و ذہن پر

تقلید اور عدم تقلید کا مسئلہ دراصل فنی و علمی سے زیادہ نفسیاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ٹھیٹھ اسلام کی رُو سے ہماری اولین ارادت کا مرکز کون ہے؟ ہماری پہلی اور بنیادی وابستگی کس سے ہونی چاہیے؟ اور پیش آمدہ مسائل میں مشکلات کے حل و کشود کے سلسلہ میں ہمیں اوّل اوّل کس کیطرف دیکھنا چاہیے کتاب اللہ اور سنت رسول کی چشم کشا اور ابدی تعلیمات کیطرف یا فقہی مدارس فکر کی وقتی اور محدود تعبیرات کی طرف اِس سے قطع نظر کہ تقلید سے فکر و نظر کی تازہ کاریاں مجروح ہوتی ہیں اور اس سے بھی قطع نظر کہ اِس سے خود فقہ و استدلال کے قافلوں کی تیز رفتاری میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

اور تہذیب و فن کی وسعتیں، زندگی، حرکت اور ارتقاء سے محروم ہو جانے کے باعث حد درجہ سمٹاؤ اختیار کر لیتی ہے۔

اصل نقص اس میں یہ ہے کہ اِس سے عقیدت و محبت کا مرکزِ ثقل یکسر بدل جاتا ہے۔

یعنی بجائے اِس کے کہ ہماری ارادت و عقیدت کا محور قبلہ اوّل و آخر کتاب اللہ اور سنتِ رسول رہے، ہماری عصبیتیں مخصوص فقہی مدارس سے وابستہ ہو کر رہ جاتی ہیں اور غیر شعوری طور پر قلب و ذہن اِس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ بحث و تمحیص کے مرحلہ میں کتاب و سنت سے کسی نہ کسی طرح مسائل کی وہی نوعیت ثابت ہو جو ہمارے حلقہ اور دائرہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہو۔

حالانکہ اللہ اور رسول سے ربط و تعلق کی کیفیتیں معروضیت

(OBJECTIVITY) چاہتی ہیں اور اِس بات کی مقتضی ہیں کہ ہر ہر مسئلہ میں اور امر میں نقطہِ نظر کسی خاص مدرسہ فکر کی تائید وحمایت کرنا نہ ہو بلکہ اِس سے کی تصدیق مقصود ہو کہ اخذ وقبول کے لحاظ سے کونسی صورت کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسولؐ سے زیادہ قریب تر ہے۔

ایک اہم سوال:-

کیا اہلِ حدیث کا شمار مذاہب مدونہ میں ہوتا ہے؟؟

ممکن ہے اِس پر کوئی صاحب کہہ اٹھیں کہ مسائل پر غور وفکر کرنے کا تو یہ تو محض ایک انداز ہوا۔ یا زیادہ سے زیادہ اہلحدیث کی نفسیات دینی کی تشریح ہوئی۔

لیکن حل طلب سوال یہ ہے کہ صرف اندازِ فکر اور اسلوب اِستدلال سے کوئی مذہب یا مسلک کب متعین ہوتا ہے۔ مسلک اور مذہب کی تعین کے لیئے تو ضروری ہے کہ اہل حدیث کے مخصوص مابعدالطبیعاتی تصورات ہوں۔

علیحدہ اور ممیز علمِ کلام اور کتاب وسنت کی واضح تعلیمات پر مبنی اپنا علم الفقہ اور اسی کی روشنی میں اِن کی خاص تاریخ ہو جس سے اُن کے ارتقائے علمی کا پتہ چل سکے۔

اور معلوم کیا جاسکے کہ ماضی قریب وبعید کے مختلف ادوار میں انھوں نے مذہب قدیم کی تشریح وتعبیر کے سلسلے میں کیا کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں یا اِسلامی تہذیب وتمدن کی نشاط آفرینیوں میں اُن کا کیا حصّہ ہے؟

اِعتراض بظاہر بہت وزنی ہے۔ لیکن اِس کا کیا کیا جائے کہ ہمارا مسلک واقعی "مذاہب مدونہ" کی فہرست میں شامل نہیں۔

یہ ایک مذہب ہے جس کے اصول اور کلامی وفقہی پیمانے تو متعین ہیں تاہم اِصطلاحی معنوں میں یہ مذہب نہیں ہے۔ اِس کے ماننے والوں کے

باقاعدہ معمولات ہیں اور عقیدہ و عمل کا متعین قالب ہے مگر اسے کسی لحاظ سے بھی گروہ نہیں کہنا چاہیے اسی طرح اس کی اصلاح و تجدید کے کارناموں پر مشتمل اپنی تابناک تاریخ بھی ہے۔

لیکن یہ تاریخ صرف انہی کی تاریخ نہیں ہے۔ اسے پورے اسلام کی تاریخ قرار دینا چاہیے۔

تضاد اور اُس کا حل

بظاہر یہ بات حد درجہ تضاد دیئے ہوئے ہے لیکن ذرا غور کیجیے گا۔ تو معلوم ہو گا کہ اسی تضاد میں اس کا حل بھی مضمر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ پہلی صدی ہجری کے آخر ہی میں اسلام کو شدید نوعیت کے دینی و سیاسی انحرافات سے دوچار ہونا پڑا۔

اور تیسری صدی ابھی اختتام کو نہیں پہنچی تھی کہ ان انحرافات نے شدید نوع کے تعصبات کا روپ دھار لیا۔

اسی عرصے میں مسئلہ امامت و خلافت کی وجہ سے شیعیت ابھری اور اس کے پہلو بہ پہلو ایک تاریخی حادثے کی بنا پر خارجیت نے جنم لیا۔ جس نے آگے چل کر مستقل فتنے کی شکل اختیار کر لی انہی سیاسی اختلافات نے ارجاء کی مصلحتوں کو ہوا دی۔

اور مسلمان مرجیہ اور غیر مرجیہ دو گروہوں میں بٹ کے رہ گئے۔

اور یونانی علوم کے فروغ و ارتقاء نے اعتزال اور جہمیت کی تخلیق کی جس نے صدیوں تک مسلمانوں کو گوناگوں عقلی اختلافات میں اُلجھائے رکھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ علمی و دینی حلقوں میں بیسیوں نئے مسائل پیدا ہو گئے۔

صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں یا غیر۔ استوار علی العرش کے کیا معنی ہیں قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ قدرت و استطاعت افعال سے پہلے ہے یا اُن کے ہم قرین ہے۔ انسان مجبور ہے یا مختار۔ اللہ تعالیٰ محالات

پر قادر ہے یا نہیں۔
خلق شئے سے کیا مراد ہے۔ خورسال، اطفال قیامت کے روز عذاب کا ہدف بنیں گے یا نہیں۔ جنت و دوزخ عارضی ہیں یا دائمی۔ روح کیا ہے؟
یہ اور اِس نوع کے عجیب و غریب مسائل جن کی وجہ سے اِسلامی صفوں میں اِنتشار اور تشتت کا پیدا ہونا ناگزیر تھا۔
اِسی دور میں غنوصیت (GNOTICISM) نے جس کے ماننے والے عراق میں کثرت سے تھے۔ تصوف کو حریفانہ شکل میں پیش کیا اور تقدس و ریاضت کے بہروپ میں اِس یقین کو دلوں میں اتارنے کی کوشش کی کہ علوم نبوت کے مقابلے میں عرفان و ادراک کا ایک اور یقینی ذریعہ کشف بھی ہے۔
جس کی مدد سے براہِ راست حقائق کونیہ و دنیہ کو پا لینا ممکن ہے۔
قریب قریب یہی وہ زمانہ ہے جس میں فقہی مذاہب مدوّن و مرتب ہوئے اور اِن کے پرجوش حامی ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوئے اور باقاعدہ مناظرہ و جدل کی بنیاد پڑی۔
اِس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ عصبیتیں ابھریں۔ حلقے بنے اور آخر آخر میں تقلید و جمود نے اِسلامی معاشرے کی اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

غور طلب نکتہ

یہاں غور طلب یہ نکتہ ہے کہ گمراہیوں کے اِس ہجوم میں اِسلام کی فطرت میں اِصلاحِ احوال کی جو قدرتی صلاحیتیں تھیں کیا وہ چپ چاپ یہ تماشا دیکھتی رہیں اور کسی گروہ کسی جماعت کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ اِن اِنحرافات کی نشاندہی کرئے۔
اور یہ بتائے کہ اِن گمراہیوں کے مقابلے میں اِسلام کا صحیح صحیح موقف کیا ہے؟
خوش قسمتی سے واقعہ یہ نہیں ہے۔ تاریخ و سیر سے سرسری واقفیت

رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ بفحوائے حدیث رسول ہر ہر دور میں ایسے لوگوں کا وجود رہا ہے کہ جنہوں نے کلمہ حق کا برملا اظہار کیا ہے۔
جنہوں نے تجدید و اصلاح کے ذمہ داریوں کو سنبھالا ہے اور اسلام کے چہرۂ زیبا سے بدعات کے گرد و غبار کو دور کرنے کی مقدور بھر ساعی جاری رکھیں۔
جنہوں نے ذخائر حدیث کی حفاظت کی۔ جنہوں نے عقائد کی پیچیدگوں کو سلجھایا اور مروجہ فقہی مذاہب کے مقابلے میں سنت پر مبنی سنت سے مستنبط اور سنت سے قریب تر مسائل کی طرف فقہاء کی عنانِ توجہ و التفات کو موڑ دینے میں کامیابی حاصل کی ہو۔

امامِ اشعری اور اہلِ حدیث

یہ گروہ اہل الحدیث والسنہ کا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری نے مقالات الاسلامیین کی جلد کے آخر میں تقریباً ۵ صفحوں میں اس گروہ کے عقائد و سیرات کا ایک دلچسپ اور دلنواز نقشہ پیش کیا ہے جسے اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے وسط تک اہل الحدیث والسنہ کے سامنے کلام و فقہ کے کیا کیا مسائل تھے؛ اور ان حضرات نے ان مسائل کو کیونکر حل کیا۔
ہم اس سلسلہ میں دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اصلاح و تجدید کی یہ تمام کوششیں جو مختلف حلقوں اور مختلف زمانوں میں فقہ و کلام کی طرفہ طرازیوں کو کتاب و سنت کے سانچوں میں ڈھالنے کی غرض سے انجام پائیں یہ ہماری ہیں۔ ان کا علم کلام ہمارا علم کلام ہے ان کی فقہ ہماری فقہ ہے اور ان کی تاریخ ہماری تاریخ ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے کسی متعین مدرسہ فقہ یا علم الکلام کے کسی بنے بنائے اصولوں کو اس بنا پر اپنانے کی کوشش نہیں کی ہے کہ مبادا ہماری عصبیت بھی اپنا محور بدل لیں اور بجائے اس کے کہ عقیدت و وابستگی کے داعیے براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول

سے وابستہ رہیں ہم بھی اِس تضاد کا شکار ہو کر نہ رہ جائیں کہ جس کا ماضی میں تمام فقہی و کلامی مذاہب کا شکار ہوئے ہیں۔

جذبہ حبّ رسول کا تقاضا

گویا ہماری نفسیاتِ دینی اور ہمارے جذبہ حب رسول کا تقاضا یہ ہے کہ فکر و عمل کی کسی صورت میں بھی ہم بجز کتاب اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ کی فرماں برداری کے اور کسی تقید، کسی تقلید اور انتساب کو اپنے لیے گوارا نہ کریں اور زمان و مکان اور اشخاص وائمہ سے قطع نظر ہر اس سچائی کو اپنائیں، ہر اس کو استدلال کو تسلیم کریں۔

اور تجدید و اصلاح کی ہر اس کوشش کو سراہیں جو قرآن و حدیث پر مبنی ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اِسی حال میں ہمیں زندہ رکھے اور جذبہ و کیف کے اِسی جانفزا عالم میں موت سے دوچار کرے (آمین)